(28)

مسلمانوں کو فیصلہ کر لینا چاہیے کہ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہر حال بہتر ہے

(فرمودہ 10 ستمبر 1948ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"دنیا کے حالات اتنی جلدی جلدی بدل رہے ہیں کہ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کل کیا ہو جائے گا۔ بہت سی قومیں ایسی ہوتی ہیں جن کی مثال گیہوں میں گھُن کی سی ہوتی ہے۔ جب گیہوں پیسا جاتا ہے تو گھُن بھی ساتھ ہی پس جاتا ہے۔ بعض زبردست قومیں جن کی ضرورتیں دوسروں سے ٹکرانے پر انہیں مجبور کر رہی ہیں، جن کی طاقت حد سے بڑھ گئی ہے وہ دنیا کے امن پر اس قدر چھائی ہوئی ہیں کہ باقی دنیا بھی ان کے ساتھ بھنور میں چکر لگائے چلی جاتی ہے۔ جس طرح دریا میں بھنور آتا ہے اور تنکے اور لکڑیاں بغیر تعلق کے اس میں چکر کھاتی چلی جاتی ہیں، جس طرح بگولا آتا ہے تو ہوا بعض فوائدِ طبعیہ کی وجہ سے چکر کھاتی ہے لیکن گرد و غبار اور کمزور اشیاء بھی ساتھ چکر کھاتی چلی جاتی ہیں۔ وہی حال اِس وقت دنیا کا ہو رہا ہے۔ ایک بگولا اٹھا ہے جس میں ہوا چکر کھاتی چلی جاتی ہے لیکن گرد بھی ساتھ ہی پریشان ہو رہی ہے جس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ دنیا کے تیز دھارے میں ایک بھنور آیا ہوا ہے

جس کی وجہ سے پانی تو قاعدے کے مطابق چکر کھا رہا ہے لیکن ہزاروں تنکے اور لکڑیوں کے ٹکڑے جن کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں مجبور ہیں کہ اس کے ساتھ وہ بھی چکر کھائیں۔ ان میں طاقت نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اس بھنور سے نکال سکیں۔ یہ بھنور اور بگولے آتے ہیں تو محدود جگہوں میں آتے ہیں۔ دریاؤں میں بھنور پڑتے ہیں تو محدود جگہوں میں پڑتے ہیں اور باقی علاقے راہ گزروں کے لیے محفوظ رہتے ہیں۔ بگولے آتے ہیں تو زمین کے محدود حصے پر آتے ہیں لیکن یہ بھنور ایسا آیا ہے، یہ بگولا ایسا اٹھا ہے جس کے اثر اور زد سے دنیا کا کوئی کونہ بھی محفوظ نہیں، پہاڑوں پر بسر کرنے والے بھی اس سے محفوظ نہیں اور دریاؤں میں بسر کرنے والے بھی اس سے محفوظ نہیں۔ سب کو اس میں داخل ہونا ہوگا اور سب کو اس کے ساتھ چکر کھانے پڑیں گے۔ بگولا اڑانے والے اور بھنور بنانے والے تسلی پا جائیں گے۔ اس لیے کہ انہوں نے بہت بڑا کام کیا۔ اگر وہ جیتیں گے تو وہ کہیں گے ہم نے کامیابی حاصل کر لی اور اگر ہاریں گے تو کہیں گے کہ ہم ہار گئے تو کیا ہوا؟ ہم نے اپنی تسلی تو کر لی ہے۔ ہم نے اپنا پورا زور تو لگا لیا ہے جیسے شاعر کہتا ہے

شکست و فتح نصیبوں پہ ہے ولے[1] اے میر مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

ہارنے والا تو کہے گا کہ اس نے خوب مقابلہ کیا اور جیتنے والا کہے گا کہ اس نے اپنے مقصد کو پالیا مگر جو بیچارے ساتھ یونہی چکر کھا رہے ہوں گے ان کے دل رو رہے ہوں گے اور باقی دنیا ان پر ہنس رہی ہوگی۔ نہ جیتنے والوں کو ان سے دلچسپی ہوگی اور نہ ہارنے والوں کو ان سے کوئی ہمدردی۔ ان کے اس بگولے اور بھنور میں پھنس جانے کی کیا وجہ تھی؟ اسے کون جانتا ہوگا؟ آئندہ آنے والے مؤرخ یہ لکھ دیں گے کہ یہ لوگ بالکل ناکردہ گناہ تھے۔ یونہی اس مصیبت میں پھنسا دیئے گئے تھے اور خواہ مخواہ اس مشکل میں ڈال دیئے گئے تھے۔ لیکن جہاں یہ ٹھیک ہے کہ بگولوں کے پیدا کرنے اور بھنور کو بنانے میں بہت سی مخلوق کا دخل ہے اور اس میں پھنس جانے والوں کے پاس طاقت کم ہے وہاں اس چیز میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ انسان سمجھدار اور باعقل پیدا کیا گیا ہے۔ وہ بے شک مصیبت میں پھنس جاتا ہے مگر مصیبت کے وقت اس کا مقابلہ کرنے سے بھی باز نہیں رہ سکتا۔ جب ایک انسان شہد حاصل کرنے کے لیے مکھیوں کے چھتے کے پاس جاتا ہے اور اس سے شہد لینے کی کوشش کرتا ہے تو ساری دنیا جانتی ہے کہ مکھیاں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ لیکن باوجود اس کے وہ اس کے مقابلہ سے پیچھے بھی نہیں ہٹتیں۔ مکھی

ڈنک مارتی ہے، چیونٹی اپنے منہ سے ڈسنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ مقابلہ وہی چیز کرتی ہے جسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقابلہ میں کامیاب ہو جائے گی۔ مکھیاں اور چیونٹیاں دونوں جانتی ہیں کہ وہ مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتیں مگر اس کے باوجود وہ مقابلہ کو چھوڑتی نہیں۔ پھر انسان اگر اس کے حواس ٹھیک ہیں اس بات کی کب برداشت کرسکتا ہے کہ ایک طاقتور ہجوم اس پر حملہ کر دے، بگولے اسے اڑا کر لے جائیں۔ بھنور اسے چکر میں ڈال دیں اور وہ بلا جدوجہد اپنے آپ کو اڑنے دے اور بھنور کو چکر دینے دے۔

حقیقت یہ ہے کہ بگولے میں اڑ جانے اور بھنور میں چکر دینے کے ہزاروں موجب ہو سکتے ہیں۔ اس بگولے میں اڑ جانے اور بھنور میں چکر کھانے کا موجب ہماری کم ہمتی ہے، ہمارا مقابلے کو چھوڑ دینا ہے۔ اور مقابلہ نہ کرنے کی وجہ سے کامیابی کا جو امکان موجود تھا وہ بھی جاتا رہا ہے۔

پس ہمارا فرض ہے کہ ہم پوری کوشش سے اس کا مقابلہ کریں اور بے ہمتی، سستی، غفلت اور بزدلی کو پاس نہ آنے دیں یہاں تک کہ دشمن ہتھیار ڈال دے۔ اول تو مقابلہ میں جیتنے کا امکان بھی ہوتا ہے لیکن اگر کوئی ہار بھی جائے تب بھی وہ عزت کے ساتھ اس دنیا سے نکل جائے گا۔

اِس وقت دنیا میں جو بھنور پیدا ہوا ہے، جو بگولا اڑ رہا ہے اس کی ساری زد مسلمانوں پر آتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اب فیصلہ کر لینا چاہیے کہ ان حالات میں کیا مزید انتظار کرنا مسلمانوں کے لیے مفید ہوسکتا ہے؟ کیا کوئی ایسے امکانات پائے جاتے ہیں کہ ہم آئندہ قوت پکڑ لیں؟ میرے نزدیک یہ بات نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں میں اب بیداری پیدا ہو چکی ہے اور وہ آہستہ آہستہ آزادی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ بیداری جس رنگ میں ہو رہی ہے اس کی قریب کے عرصہ میں تکمیل کی امید نہیں کی جاتی۔ امید اُسی وقت کی جاسکتی ہے جب ہم حقیقی طور پر بہادر بنیں، ہمارے اخلاق درست ہوں۔ اِس وقت نہ مسلمانوں کے انفرادی اخلاق ہی اعلیٰ ہیں اور نہ قومی اخلاق اعلیٰ ہیں۔ انفرادی اخلاق کے بغیر روحانی فتح نہیں ہوسکتی اور قومی اخلاق کے بغیر جسمانی اور مادی ترقی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور اخلاق کی درستی کے لیے وقت چاہیے۔

سب سے پہلے لیڈروں اور راہنماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر خاص تبدیلی پیدا کریں مگر اس طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ ہر ایک شخص یہ تو چاہتا ہے کہ وہ حاکم ہو جائے۔ وہ یہ تو چاہتا ہے کہ

یورپ کی غلامی سے آزاد ہو جائے مگر ایک بھی ایسا نہیں جو شیطان کی غلامی سے آزاد ہونا چاہتا ہو۔ ایک طرف اگر وہ جھوٹ بولتا جائے، روحانیت کی ہتک کرتا جائے، بے ایمانیاں کرتا جائے، ظلم کرتا جائے، غریب کی مدد نہ کرے، یتیموں کی طرف کوئی توجہ نہ دے اور اپنے فرائض کو محنت سے پورا نہ کرے اور باوجود اس کے وہ دوسری طرف شان وشوکت حاصل کرنا چاہے تو یہ ناممکن ہے۔ نہ کبھی یہ پہلے ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ اگر وہ شان وشوکت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے انفرادی اخلاق کو بدلنا پڑے گا۔ سچ، محنت، حُسنِ سلوک، حُسنِ معاملہ، دیانت، امانت وغیرہ ان سب اخلاق کو پیدا کرنا ہوگا۔

دوسری چیز قومی اخلاق ہیں۔ مسلمانوں کی اس طرف توجہ ہے مگر اتنی نہیں کہ انہیں پورے طور پر کامیابی حاصل ہو سکے۔ مثلاً یہ ہوا ہے کہ انہوں نے آگے قدم رکھنا چاہا ہے اور یہ ایک حد تک نظر آ رہا ہے مگر ساتھ ہی ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو اگر دوسرے سے ٹکرا جائے تو وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھتا۔ دوسرے انفرادی اغراض کو قوم کے لیے قربان نہیں کیا جاتا۔ یہ دونوں عیب دور ہو جائیں تب ہم دشمن پر فتح حاصل کر سکتے ہیں اور تب ہم امید کر سکیں گے کہ ہم خدا کی دی ہوئی قوتوں اور طاقتوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ جس طرح ایک پہلوان کو جیل خانہ میں بند کر دیا جائے، اُس کے گلے میں طوق ڈال دیئے جائیں، پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں تو اس کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس میں طاقت اور قوت نہیں۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنی طاقت وقوت کو استعمال نہیں کر سکتا۔ اِسی طرح ایک مسلمان میں خواہ کتنی دلیری اور جرأت ہو اگر اُس کے انفرادی اور قومی اخلاق کمزور ہیں یا ہے تو وہ بہادر لیکن اسے اپنے نفس پر قابو حاصل نہیں تو ہم کہیں گے کہ وہ نفس کے جیل خانے میں ہے۔ وہ شیطان کے قبضہ میں ہے۔ جہاں تک قومی اخلاق کا سوال ہے مسلمان ترقی کی طرف جا رہے ہیں اور آہستہ آہستہ آزادی کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ اتنی جلدی ترقی حاصل کر لیں گے جتنی جلدی لڑائی شروع ہو رہی ہے؟ یہ بظاہر ممکن نہیں۔

اب تو ایک ہی چارہ ہے کہ مسلمان متحد ہو جائیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہی لے کر دنیا کا مقابلہ کریں۔ جب بعد میں بھی یہی ہونا ہے تو کیوں نہ ابھی سے اس پر عمل کیا جائے۔ ہندوستان کے مسلمان مصیبت میں گرفتار ہیں، انڈونیشیا کے مسلمان محفوظ نہیں، مصر کے مسلمان محفوظ نہیں، شام کے مسلمان محفوظ نہیں، ٹرانس جورڈن 2 کے مسلمان محفوظ نہیں، سعودی عرب میں مسلمان امن میں نہیں اور

لبنان میں بھی مسلمان خطرہ سے خالی نہیں۔ غرض کوئی بھی ملک ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کو خطرہ لاحق نہ ہو رہا ہو۔ صرف فلسطین کا ہی مسئلہ درپیش نہیں بلکہ سب مسلمان ممالک خطرہ کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ عراق فلسطین کی جنگ میں اس لیے دخل نہیں دے رہا کہ وہ سمجھتا ہے کہ فلسطین کے عرب آزادی سے محروم ہو جائیں گے۔ شام اس لیے اس میں دخل نہیں دے رہا کہ فلسطین کے باشندے آزادی سے محروم ہو جائیں گے۔ اسی طرح لبنان اس میں اس لیے شامل نہیں ہو رہا کہ وہ سمجھتا ہے کہ فلسطین کے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا کیونکہ لبنان میں تو ایک بڑی تعداد عیسائیوں کی بھی پائی جاتی ہے۔ سعودی عرب اس لیے اس میں دخل نہیں دے رہا کہ فلسطین میں یہودیوں کے غلبہ سے فلسطین کے مسلمانوں کی عزت میں فرق آ جائے گا۔ مصر اس میں اس لیے دخل نہیں دے رہا کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے فلسطینیوں کو نقصان پہنچے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں کی لمبی تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہودیوں کے عربوں کے خلاف منصوبے بہت خطرناک ہیں۔ یہود فلسطین کے صرف اس حصہ کو نہیں لینا چاہتے جس پر انہوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اگر صرف یہی سوال ہوتا تو عرب کبھی کے اس پر راضی ہو جاتے۔ وہ صرف اس حصہ کو ہی نہیں لینا چاہتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے یہ حصہ لے لیا تو پھر وہ آسانی کے ساتھ باقی حصہ کو فتح کر لیں گے اور اس کے بعد سارے عرب کو فتح کر لیں گے۔ یہودیوں کی دولت اور تعداد ایسی نہیں کہ وہ دس ہزار مربع میل میں سما سکیں۔ یہودیوں کی تعداد دو کروڑ کی ہے اور دولت کے لحاظ سے وہ ہر قوم کے دو کروڑ سے زیادہ مالدار ہیں۔ یہودیوں کے دو کروڑ آدمی یورپین لوگوں کے دو کروڑ سے زیادہ مالدار ہیں۔ دو کروڑ یہودیوں کی دولت دو کروڑ امریکنوں سے زیادہ ہے۔ اس لیے یہودی اپنے دو کروڑ باشندوں کو دس ہزار مربع میل میں ترقی نہیں دے سکتے۔ انہوں نے محسوس کر لیا ہے کہ سینکڑوں سال سے اُن پر جو ظلم ہوتے آ رہے ہیں اور دشمن اُن کو ذبح کرتا آ رہا ہے اس کے لیے جب تک وہ ایک زبردست حکومت نہ قائم کر لیں وہ عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اور اپنے اُن باشندوں کے جان اور مال کی حفاظت نہیں کر سکتے جو سلطنت کے قائم ہو جانے کے بعد بھی دنیا کے مختلف حصوں میں بس رہے ہوں گے۔ اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ایک زبردست یہودی سلطنت قائم کی جائے جہاں ان کی آبادی کا بیشتر حصہ بس سکے، جہاں وہ مزید دولت کما سکیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ باتیں اس تنگ علاقہ

میں نہیں ہوسکتیں اس لیے انہوں نے یہ تجویز کی ہے کہ پہلے فلسطین کے ایک حصہ پر قبضہ کرلو۔ پھر آہستہ آہستہ باقی فلسطین پر قبضہ کرلیا جائے گا۔ پھر ٹرانس جورڈن پر قبضہ کرلیا جائے گا کیونکہ وہ بھی فلسطین کا ایک حصہ ہے۔ پھر شام اور لبنان پر قبضہ کرلیا جائے گا۔ اس لیے کہ اسرائیلی اپنے لمبے دَور میں ان پر قابض رہے۔ پھر عرب پر قبضہ کرلیا جائے گا اس لیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت یمن کے کناروں تک تھی۔ پھر مصر پر قبضہ کرلیا جائے گا اس لیے کہ وہاں وہ آباد تھے اور انہیں جبراً وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ ان کی اس تجویز کے مطابق حکومتِ اسرائیل آئندہ، شام، لبنان، ٹرانس جورڈن، عرب، یمن اور عراق پر مشتمل ہوگی۔ پھر ان سب ملکوں میں بھی وہ ڈیڑھ کروڑ کے قریب یہودیوں کو اُس وقت ہی بسا سکتے ہیں جبکہ وہ وہاں کے رہنے والے عربوں کو مار دیں ورنہ وہ ان کی زمینوں پر قبضہ نہیں کرسکتے، ان کے مکانوں پر قبضہ نہیں کرسکتے، ان کی صنعتوں پر قبضہ نہیں کرسکتے، شہر اور تجارتیں نہیں لے سکتے اور نہ ہی اپنی دولت کو بڑھا سکتے ہیں۔ جس طرح مشرقی پنجاب کے متعلق یہ خیال کیا گیا تھا کہ سکھ اور ہندو پناہ گزین جو مغربی پنجاب سے آئے ہیں وہ کہاں بسیں گے؟ اُن کو یہاں بسانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے مسلمانوں کو نکال دیا جائے۔ پہلے سکھوں اور ہندوؤں کو بہکایا گیا کہ وہ مشرقی پنجاب آجائیں اور جب وہ آگئے تو پھر یہ سوال تھا کہ انہیں بسایا کس جگہ جائے؟ اس کی ایک ہی تجویز تھی کہ مسلمانوں کو مار ڈالو اور ان کی تجارتیں اور زمینیں اپنے قبضہ میں لو۔ یہی سکیم بعینہٖ فلسطین میں بھی چل رہی ہے۔ پس عراق لڑ رہا ہے اس لیے کہ فلسطین کے بعد وہ بھی زندہ نہیں رہے گا۔ شام لڑ رہا ہے اس لیے کہ اس کی زندگی بھی فلسطین کے بعد خطرے میں پڑ جائے گی۔ لبنان لڑ رہا ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہاں عیسائیت کا سوال نہیں۔ ان یہودیوں کو تو زمین اور ملک چاہیے۔ مصر جانتا ہے کہ اگر فلسطین میں یہودی سلطنت قائم ہوگئی تو اُن کی آئندہ تجویز سارے عرب ممالک کو فتح کرنا ہے۔ کیونکہ یہود قوم اتنے کم رقبہ میں نشو ونما نہیں پاسکتی۔ غرض فلسطین کا جھگڑا شام، لبنان، عراق، مصر اور سعودی اور یمنی عرب کا جھگڑا ہے اور یہ سب اسلامی ممالک خطرہ میں ہیں۔ پنجاب اور دوسرے علاقوں کا یہی حال ہے۔ یہی حال انڈونیشیا کا ہے۔ افغانستان کے باشندے بہادر ہیں مگر ان کے پاس بھی کوئی طاقت نہیں۔ وہ صرف رقابت کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں۔ روس یہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کے بارہ میں کوئی دوسری حکومت دخل اندازی کرے۔ لیکن اب روس سمجھتا ہے کہ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے

جانے کی وجہ سے اس کے لیے موقع ہے۔ اس لیے روس کی طرف سے کوشش کی جارہی ہے اور یہ روسی ایجنٹ ہی ہیں جو افغانستان کی حکومت کو پاکستان کے خلاف بھڑکا رہے ہیں کیونکہ اگر افغانستان اور پاکستان کے تعلقات خراب ہو جائیں تو جب وہ افغانستان میں داخل ہوگا تو افغانستان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اب روسیوں نے افغانستان کے شمالی علاقوں کے متعلق دعوے کرنے شروع کر دیئے ہیں جس کی وجہ سے ملک میں ایک گھبراہٹ سی پیدا ہوگئی ہے اور پاکستان کی مخالفت اب دب رہی ہے کیونکہ انہیں یہ نظر آرہا ہے کہ انہیں ہڑپ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بہرحال مسلمانوں کے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلمان غور کریں کہ کیا مزید انتظار ان کے لیے مفید ہوسکتا ہے؟ اور اگر مزید انتظار مفید نہیں ہوسکتا اور پھر بھی یہی صورت باقی رہنی ہے کہ موت یا فتح۔ تو پھر انتظار کرنے کے معنے ہی کیا ہوئے۔ اگر ڈاکٹر کسی مریض کے متعلق یہ کہہ دیتا ہے کہ وہ بغیر آپریشن کے ٹھیک نہیں ہوسکتا اور اُسے جلد یا بدیر آپریشن کرانا ہی ہوگا تو پھر آپریشن میں دیر کرنا مریض کے لیے کسی صورت میں بھی مفید نہیں ہوسکتا۔ بلکہ دیر کرنا اس کے لیے اَور مُضِر ثابت ہوگا اور اُسے زیادہ کمزور کر دے گا۔ اگر بعد میں بھی آپریشن ہی کرانا ہے تو پھر مزید انتظار کے معنے ہی کچھ نہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ اِس وقت تمام مسلمانوں کو مل کر غور کرنا چاہیے اور فیصلہ کر لینا چاہیے کہ یا تو وہ ان خطرات کو جو ان کے لیے پیدا ہو گئے ہیں دور کر دیں اور یا پھر ختم ہو جائیں اور عزت کی موت مر جائیں۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان اب بھی بیدار ہو جائیں تو ایسا امکان ہے کہ حالات سازگار ہو جائیں۔ پس مسلمان لیڈروں اور راہنماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر خاص تبدیلی پیدا کریں اور ان خطرات کا اکٹھے ہو کر مقابلہ کریں۔ اس صورت میں یا تو وہ ان خطرات پر فتح پالیں گے اور یا عزت کی موت مر جائیں گے جو ذلّت کی زندگی سے بہرحال بہتر ہے۔ مَیں نے اس کے متعلق بہت غور کیا ہے اور پہلے بھی اشارتاً توجہ دلائی ہے کہ اب مزید انتظار کی ضرورت نہیں۔ مسلمان لیڈروں اور راہنماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں اور موجودہ حالات کا مقابلہ کریں ورنہ دوسروں کے لیے جگہ چھوڑ دیں تا وہ کشتیٔ اسلام کو اس بھنور سے نکالنے کی کوشش کریں۔

دوسری بات جس کے متعلق مَیں کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم سات آٹھ مہینے سے کوشش کر رہے تھے کہ ایک جگہ لی جائے جہاں قادیان کی اُجڑی ہوئی آبادی کو بسایا جائے۔ یہ

تجویز ستمبر 1947ء میں ہی کر لی گئی تھی اور اُس خواب کی بناء پر جو مَیں نے 1942ء میں دیکھی تھی کہ مَیں ایک جگہ کی تلاش میں ہوں جہاں جماعت کو پھر جمع کیا جائے اور منظّم کیا جائے۔ ہم نے یہاں پہنچتے ہی ضلع شیخوپورہ میں کوشش کی۔ پہلے ہماری یہ تجویز تھی کہ ننکانہ صاحب کے پاس کوئی جگہ لے لی جائے تا سکھوں کو یہ احساس رہے کہ اگر انہوں نے قادیان پر جو احمدیوں کا مرکز ہے حملہ کیا تو احمدی بھی ننکانہ صاحب پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اس خیال کے ماتحت میں نے قادیان سے آتے ہی آٹھ نو دن کے بعد بعض دوستوں کو ہدایات دے کر ضلع شیخوپورہ بھجوا دیا تھا۔ وہاں ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی زمینوں کے متعلق ان کے ایجنٹوں سے بات چیت بھی کر لی گئی تھی اور بعض لوگ زمین دینے پر رضامند بھی ہو گئے تھے۔ لیکن جب اس کا گورنمنٹ کے افسران سے ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی جائیداد فروخت نہ کی جائے۔ ہم نے انہیں کہا کہ ہم بھی ریفیوجی (Refugee) ہیں اس لیے کسی غیر کے پاس زمین فروخت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر انہوں نے جواب دیا کہ چونکہ ایسا کرنے میں غلط فہمی ہو سکتی ہے اس لیے یہ زمین قیمتاً نہیں دی جا سکتی۔ اسی دوران میں بعض احمدیوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ سکھوں میں ایک طبقہ حد سے زیادہ جوش والا ہے اس لیے بجائے اِس کے کہ اِس تجویز سے فائدہ ہو ایسے لوگ زیادہ شرارت پر آمادہ ہو جائیں۔ ایک دوست نے یہ بھی کہا کہ آپ نے خواب میں جو جگہ دیکھی تھی وہ جگہ تو پہاڑیوں کے بیچ میں تھی اور یہ جگہ پہاڑیوں کے بیچ میں نہیں ہے۔ مَیں نے ایک جگہ دیکھی ہے کہ جو آپ کے خواب کے زیادہ مطابق ہے۔ چنانچہ ایک پارٹی تیار کی گئی اور مَیں بھی اُس کے ساتھ موٹر میں سوار ہو کر گیا۔ وہ جگہ دیکھی, واقع میں وہ جگہ ایسی ہی تھی۔ صرف فرق یہ تھا کہ مَیں نے خواب میں جو جگہ دیکھی تھی اس میں سبزہ تھا اور یہاں سبزہ کی ایک پتی بھی نہ تھی۔ یہ جگہ اونچی ہے اور نہر کا پانی اُس تک نہیں پہنچ سکتا۔ مَیں نے ایک گاؤں کے زمیندار سے پوچھا کہ آیا کسی وقت سیلاب کا پانی اس جگہ تک پہنچ جاتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اور ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس کے نیچے ہم کھڑے تھے کہا اگر پانی اس درخت کی چوٹی تک پہنچ جائے تب اس جگہ تک پانی پہنچ سکتا ہے۔ اب حال میں جو سیلاب آیا ہے اس کا پانی بھی اس جگہ سے نیچے ہی رہا ہے اور اُس تک نہیں پہنچ سکا۔ لیکن ہم نے سمجھا کہ اگر کوشش کی جائے تو شاید یہاں بھی سبزہ ہو سکتا ہو۔ چنانچہ ہم نے گورنمنٹ سے اس کے خریدنے کی درخواست کی اور اس

سے کہا کہ آخر آپ نے ہمیں کوئی جگہ دینی ہی ہے اور کہیں بسانا ہی ہے اگر یہ جگہ ہمیں مل جائے تو جتنے احمدی یہاں بس جائیں گے اُن کا بوجھ گورنمنٹ پر نہیں پڑے گا۔ قادیان کے باشندوں کو اگر کسی اَور جگہ آباد کیا جائے تو انہیں بنی بنائی جگہیں دی جائیں گی لیکن اگر وہ یہاں بس جائیں تو کروڑوں کی جائیداد بچ جائے گی جو دوسرے مہاجرین کو دی جاسکتی ہے۔

قادیان میں دو ہزار سے زائد مکانات تھے جن میں بعض پچاس پچاس ہزار کے تھے اور بعض لاکھ دو لاکھ کے تھے لیکن اگر پانچ ہزار روپے فی مکان بھی قیمت لگائی جائے تو ایک کروڑ کے مکانات قادیان میں تھے اور یہ قیمت صرف مکانوں کی ہے زمین اس سے الگ ہے۔ زمین کی قیمت اُس وقت دس ہزار روپے فی کنال تک پہنچ گئی تھی اور پانچ سوا یکڑ کے قریب زمین مکانوں کے نیچے تھی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چالیس ہزار کنال زمین پر مکانات بنے ہوئے تھے۔ اگر پانچ ہزار روپیہ فی کنال بھی قیمت لگادی جائے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ دو کروڑ کی زمین تھی جس پر مکانات بنے ہوئے تھے۔ گویا تین کروڑ کے قریب مالیت کے مکانات قادیان والے چھوڑ کر آئے ہیں۔ اگر لاہور، لائلپور، سرگودھا وغیرہ اضلاع میں قادیان کے لوگوں کو بسایا جائے تو پھر وہاں زمین اور مکانات کی قیمتیں قادیان کی زمین اور مکانات کی قیمتوں سے بڑھ کر ہوں گی۔ اگر احمدیوں کو یہ جگہ دے دی جائے اور وہ وہاں بس جائیں تو قریباً چار کروڑ کی جائیداد بچ جاتی ہے جو دوسرے لوگوں کو دی جاسکتی ہے۔ انہوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور کہا کہ قاعدہ کے مطابق اسے پہلے گزٹ میں شائع کرنا ہوگا اور وعدہ کیا کہ وہ نومبر یا دسمبر میں اسے شائع کر دیں گے مگر جب جنوری میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہم بھُول گئے ہیں۔ ہم نے کہا یہ آپ کا قصور ہے۔ ہمارے آدمی آوارہ پھر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا خواہ کچھ بھی ہو بہر حال اسے شائع کرنا ضروری ہے تا معلوم کیا جائے کہ اس زمین کا کوئی دعویدار ہے یا نہیں۔ اس کے بعد کہہ دیا گیا کہ جب تک کاغذات کمشنر کی معرفت نہ آئیں کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ ایک مہینہ میں کاغذ کمشنر کے پاس سے ہوکر پہنچے اور اس طرح مارچ کا مہینہ آ گیا۔ پھر کہا گیا کہ ان کاغذات پر قیمت کا اندازہ نہیں لکھا گیا اس لیے ہم کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ پھر دوبارہ کاغذات مکمل کر کے بھیجے گئے۔ پھر افسر مقررہ نے ایک مہینہ بعد تعمیل کی۔ پھر اپریل میں قیمت لگائی گئی۔ پھر یہ سوال اٹھایا گیا کہ کاغذات منسٹری کے پاس جائیں۔ ہم نے کہا کہ یہ کام تو فنانشل کمشنر صاحب خود

کر سکتے ہیں۔ مگر کہا گیا کہ یہ کام چونکہ اہم ہے اس لیے کاغذات کا منسٹری کے پاس جانا ضروری ہے۔ کاغذات منسٹری کے پاس بھیجے گئے۔ منسٹری نے کہا ابھی ان پر غور کرنے کے لیے فرصت نہیں۔ آخر ایک لمبے انتظار کے بعد جون میں فیصلہ ہوا اور زیادہ سے زیادہ جو قیمت ڈالی گئی وہ وصول کی گئی۔ یہ واقعات مَیں نے اس لیے بتائے ہیں کہ گورنمنٹ کے افسران نے ہمارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی بلکہ ان میں سے بعض کی غفلت کی وجہ سے ہم سال بھر تک اُجڑے رہے۔ اب جگہ ملی ہے۔ صرف ایک کسر باقی ہے اگر وہ دور ہوگئی تو جلد آبادی کی کوشش کی جائے گی۔

گزشتہ تلخ تجربوں کے بعد اِس نئی اراضی پر مکانات بنانے کے متعلق چند فیصلے کیے گئے ہیں۔

(1) مکانوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ قادیان میں لوگوں نے زمینیں خرید کر کے اسے خالی ہی پڑا رہنے دیا تھا اور مکانات وغیرہ نہیں بنائے تھے جس کی وجہ سے ہم پوری طرح حفاظت کا بندوبست نہ کر سکے۔ ہمیں جو نقصان پہنچا اُس کی تمام ذمہ داری انہی لوگوں پر تھی۔ یہ نقصان ان جگہوں کے پُر ہو جانے کی صورت میں نہیں ہوسکتا تھا۔ ہم نے آبادی کے اردگرد دیواریں بنانے کی کوشش کی مگر گورنمنٹ نے ہمیں ایسا کرنے سے روکا اور کہا کہ تم سڑکوں کو روکتے ہو۔ چونکہ اس کی مرضی تھی کہ مسلمان یہاں سے نکل جائیں اس لیے اس نے چاہا کہ کسی قسم کی کوئی حفاظتی تدبیر نہ کی جائے۔ اس تلخ تجربے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کوئی بھی زمین خریدے اور مکان بنائے مکانوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوگا۔ اور جو مقررہ مدّت میں مکان نہیں بنا سکے گا اس کی زمین کسی اَور کو دے دی جائے گی جو جلدی مکان بنا سکے۔ اس طرح بستی قلعہ کی صورت میں بدلتی جائے گی۔ ہاں جس کی زمین ہوگی اُسے دوسری جگہ پر زمین دے دی جائے گی۔

(2) زمین فروخت نہیں کی جائے گی بلکہ ٹھیکہ پر دی جائے گی اور اس کی اصل مالک صدر انجمن احمدیہ پاکستان ہی رہے گی۔

(3) اس وقت زمین سو روپے فی کنال کے حساب سے دی جائے گی۔ پچاس روپے بطور ہدیہ مالکانہ اور پچاس روپے شہر کی ضروریات کے لیے۔

(4) زمین نوے سال کے لیے ٹھیکہ پر دی جائے گی لیکن شرح کرایہ ہر تیس سال کے بعد بدلتی رہے گی جو کبھی پچاس فیصدی سے زیادہ نہ ہوگی۔

(5) زمین پر قبضہ قائم رکھنے کے لیے ہر خریدار سے ایک چھوٹی سی رقم بطور کرایہ وصول کی جائے گی مثلاً ایک روپیہ فی کنال سالانہ اور دس مرلہ پر آٹھ آنے سالانہ۔ اور یہ کرایہ تین پیسے فی مرلہ ماہوار بنتا ہے۔ یہ گورنمنٹ کی نقل کی گئی ہے۔ گورنمنٹ بھی پہاڑوں پر زمین ٹھیکہ پر ہی دیتی ہے۔ میں نے بھی ڈلہوزی میں ٹھیکہ پر زمین لے کر کوٹھیاں بنائی تھیں۔

(6) کسی واحد شخص کو دکان بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ دکانیں سلسلہ کی ملکیت ہوں گی۔ ٹھیکہ پر لی ہوئی زمین میں صرف رہائشی مکان بنانے کی اجازت ہوگی کیونکہ بہت سی آوارگی دکانوں کے ذریعہ ہی پھیلتی ہے۔ قادیان میں ہم دیکھتے تھے کہ آوارہ مزاج لوگ عموماً دکانوں پر بیٹھا کرتے تھے اور جب دکانداروں کو اُن کے منع کرنے کے لیے کہا جاتا تھا تو وہ مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے کیونکہ ان کی وجہ سے اُن کی بکری زیادہ ہوتی تھی اور اِس طرح دکانیں آوارگی کا ایک اڈہ بن کر رہ جاتی تھیں۔ بہرحال اس نئے قصبہ میں دکانیں کسی شخصِ واحد کی ملکیت نہیں ہوں گی۔

(7) الفضل میں اعلان شائع ہونے کی تاریخ سے لے کر ایک مہینہ تک ہدیہ مالکانہ ایک سو روپیہ فی کنال لیا جائے گا۔ اس کے بعد ہر سال یہ رقم بڑھتی جائے گی۔ (یہ میعاد پندرہ اکتوبر کو ختم ہوجائے گی۔ اِس وقت تین سو تیس کنال اراضی کی درخواست آ چکی ہے)۔ روشنی، پانی، سڑکوں اور دیگر انتظامات کے لیے پانچ لاکھ روپے کے اخراجات کا اندازہ ہے۔ سکولوں، کالجوں پر بھی پانچ لاکھ کا اندازہ ہے۔ تو دس لاکھ کے قریب مزید خرچ ہوگا اور وہاں رہنے والوں نے ہی اُن سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔ اس لیے یہ اخراجات زمین کی قیمت سے ہی نکالے جائیں گے۔ صرف چار پانچ سو ایکڑ زمین شہر میں لگ سکے گی۔ باقی زمین ایسی نہیں کہ اس پر مکان بن سکیں۔ پس اس زمین میں سے یہ اخراجات نکالے جانے ضروری ہیں۔

(8) دکانوں کی عام اجازت نہ ہوگی بلکہ ضرورت کے مطابق نائیوں، دھوبیوں، موچیوں وغیرہ کی دکانیں ہوں گی اور گنجائش کے مطابق دکانیں کھولنے کی اجازت دی جائے گی۔

(9) بڑے کارخانے کھولنے کی کسی شخصِ واحد کو اجازت نہیں دی جائے گی بلکہ جو بھی کارخانے کھولے جائیں گے اُن میں سب شہریوں کا حصہ ہوگا۔

(10) یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ کچھ زمین ان لوگوں کو دی جائے گی جو غرباء تھے اور قادیان میں اُن کے مکانات تھے یہ جگہ مفت دی جائے گی۔

(11) دکانات بنانے میں ایسا کام جس میں فنی مہارت کی ضرورت نہ ہو باہمی تعاون سے کیا جائے گا اور اپنے ہاتھوں سے کیا جائے گا۔

(12) جو قواعد اس بارہ میں حکومت یا سلسلہ کی طرف سے جاری ہوں اُن کی پابندی زمین لینے والوں کے لیے ضروری ہوگی۔

پس ایسے دوست جو اِس میں حصہ لینا چاہتے ہیں اور اس لیے مرکز میں مکانات بنانا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ ایک مہینہ کے اندر اندر سو روپیہ فی کنال کے حساب سے ہدیہ مالکانہ پچاس روپے اور ابتدائی انتظامات کے لیے پچاس روپے قیمت خزانہ میں جمع کرادیں تا پہلے گروپ میں وہ شامل کر لیے جائیں۔ احمدیت نے بہرحال بڑھنا ہے۔ یہاں کی زمینوں کا بھی وہی حال ہوگا جو قادیان کی زمینوں کا ہوا۔ یہ جگہ پاکستان کا مرکز رہے گی اور قریب کے مرکزوں سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ پس جو شخص زمین لینا چاہے انہیں جلدی کرنی چاہیے۔ اور یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ زمین ٹھیکہ پر دی جائے گی، دکانیں بنانے کا یا دکان مکان میں کھولنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا بلکہ دکانیں سب سلسلہ کی ملکیت ہوں گی۔ اور پھر جو زمین لے وہ قواعد کو اچھی طرح سے سمجھ کرلے تا بعد میں اُسے کسی قسم کی شکایت نہ ہو۔ یہ امر ظاہر ہے کہ مرکز سلسلہ کی آبادی اِنْشَاءَ اللّٰہ جلد ترقی کر جائے گی۔ اگر دوست چھوٹے چھوٹے مکان تعمیر کرلیں تو وہ خاصے کرایوں پر چڑھ سکیں گے"۔

(الفضل 28 ستمبر 1948ء)

1: ولے: (حرفِ استثناء) مگر، لیکن (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 21 صفحہ 382 کراچی 2007ء)

2: ٹرانس جورڈن: (TRANS-JORDAN) امارۃ شرق الاردن (1921ء تا 1946ء) 1921ء میں یہ ریاست برطانوی انتظام میں رہی اور 1946ء میں ایک آزاد خودمختار مملکت کے طور پر سامنے آئی۔ 1951ء میں یہ ریاست باقاعدہ طور پر "بادشاہت اردن" کے نام سے موسوم ہوئی۔